شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

زیر سرپرستی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

اپریل 2009ء ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ شمارہ نمبر۴ جلد نمبر۱ قیمت 10 روپے

ترتیب عنوانات

درسِ قرآن..................افادات: امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ ۲
درسِ حدیث...................مولانا خواجہ عبدالحیٔ فاروقیؒ ۲
اداریہ..........................مدیر اعلیٰ ۳
ریاست کا بحران اور ہماری ذمہ داریاں..................محمد عباس شاد ۳
خطبہ جمعۃ المبارک..........................مفتی عبدالخالق آزاد ۴
وفیات.. ۵
حضرت اقدس رائے پوری کا دورۂ کراچی.......رپورٹ: ملک محمد عمران، کراچی ۶
دینی مسائل..........................مفتی عبدالغنی قاسمی ۷
رفتارِ کار..........................عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ ۷
خطاب حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ ۸

شعبہ مطبوعات

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

برائے رابطہ

رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئنز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

فون: 0092-42-6307714/6369089

Web:www.rahimia.org

مجلس ادارت

صدرِ مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
مدیر اعلیٰ: مفتی عبدالخالق آزاد
مدیر: محمد عباس شاد

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (بورے والا)
حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی (چشتیاں)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خاں)
محترم محمد اسلوب قریشی (لاہور)
محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
محترم سید اصغر علی شاہ بخاری (پیر جو گوٹھ)
محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
محترم سید سیف الاسلام خالد (راولپنڈی)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
حضرت مولانا قاری تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)

www.rahimia.org

درسِ قرآن

افادات: امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

شرپسند جماعتوں سے بچاؤ کی حکمتِ عملی

(۴) ومن شر النفثٰت فی العقد○ (اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے)

نفث: پھونک مارنا، نفاثات: پھونکیں مارنے والیاں۔ یہ مؤنث کا صیغہ ہے، یہ جماعت کے لیے بھی آتا ہے۔ اکثر مفسرین اتنی ہی بات کہہ کر خاموش ہوگئے کہ "عورتیں جو پھونکیں مار کر جادو کرتیں ہیں"۔ یہ اس عمل کی ایک مثال ہے۔ اس کی دوسری مثال جماعتیں بھی ہوسکتی ہیں۔

عُقَد: عُقْدَة (بہ معنیٰ گرہ) کی جمع۔ اگر نَفّٰثٰت سے مراد عورتیں لی جائیں، تو عُقَد سے مراد "دھاگے میں لگائی جانے والی گرہیں" ہوسکتی ہیں، اگر اس سے مراد "جماعتیں" لی جائیں، تو عُقَد سے مراد پختہ خیالات ہوں گے۔ جنہیں انسان گرہ باندھتا ہے۔ یہ اُس کا عَقِیْدَہ یا اِیْمَان ہوتا ہے، جو اس کے وجود کے ساتھ اس طرح سے پیوست ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتے۔ تمام انسانی ترقی اسی نکتے کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایمانی قوت جتنی مضبوط ہوگی، اتنا ہی انسان کی ہمت اور ارادہ مضبوط ہوگا، اور وہ اُتنا ہی مضبوط اور دیرپا کام کرسکے گا۔

پراپیگنڈا کرنے والی ایک جماعت پراپیگنڈا کرتی ہے۔ وہ ایک فکر کے لوگوں کے کانوں میں وسوسے پھونکتی اور ان کے دلوں میں ڈالتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سننے والوں کا اپنا عقیدہ رفتہ رفتہ اس سے متاثر ہونے لگتا ہے۔ اس طرح مخالف پراپیگنڈا کرنے والی جماعتیں اپنے پراپیگنڈا کے زور سے انسان کی زندگی بخش پروگراموں کو نکما ثابت کر کے ایک انسانی معاشرے کو موت کے گھاٹ اُتار دیتی ہیں۔ آج کل پراپیگنڈے کی طاقت توپ وتفنگ کی طاقت سے زیادہ مؤثر مانی گئی ہے۔ امام جنگ میں 9/10 طاقت پراپیگنڈا (Coldwar) یا اعصابی جنگ (War of Nerves) کی تسلیم کی گئی ہے اور 1/10 آلات کے ذریعے جنگ (HoT War) کی، جس میں معمولی بندوق سے لے کر انتہائی مہلک آلات تک سب داخل ہیں۔ انسانی معاشرے کی فکری زندگی کے لیے پراپیگنڈے کا وہی اثر ہے، جو پودے کے لیے برف وغیرہ کا۔

(۵) ومن شر حاسد اذا حسد○ (اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے)

ایک شخص کو ایک نعمت دی گئی ہے۔ اس کا حاسد یہ نہیں چاہتا، کہ اُس شخص کے پاس وہ نعمت رہے۔ لیکن مجھے اُس سے عمدہ مل جائے، بلکہ وہ چاہتا ہے، کہ مجھے وہ نعمت یا اس سے اعلیٰ تر نعمت ملے یا نہ ملے، لیکن اس شخص کے پاس یہ نعمت نہ رہے۔

چیزوں کی تقسیم حکمتِ الٰہی کے مطابق ہوتی ہے۔ اُس کی حکمت، جسے وہ چیز دینا مناسب خیال کرتی ہے، عطا فرمادیتی ہے، جو شخص کسی ایسے شخص سے دشمنی کرتا ہے، جسے کوئی نعمت نہیں دی گئی ہے، وہ اصل میں نعمت تقسیم کرنے والے پروردگار--اَلْمُعْطِیْ-- سے دشمنی کرتا ہے۔ محسود کے ساتھ اس کی براہِ راست کوئی عداوت نہیں ہوتی، یہ ویسی ہی بات ہے، جیسے باغ کے مالک سے دشمنی کرنے والا اپنی دشمنی پودے پر نکالے۔ ایسے شخص سے بچنے کے لیے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں۔

اس مختصر سی سورت میں اُن تمام شرور کا ذکر آگیا ہے، جن سے انسان کو اپنی ترقی کے لیے بچنے کی ضرورت ہے۔ توحید کا عقیدہ ہماری رہنمائی کرتا ہے، کہ انسان اپنی جسمانی سلامتی کی خاطر ہر قسم کی مضرت سے بچنے کے لیے خدا تعالیٰ کی پناہ میں آجائے۔ اس کے ساتھ یہ تصور خود بخود انسان کے ذہن میں آجاتا ہے، کہ خدا تعالیٰ ساری کائنات پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور وہ نہ صرف یہ کہ انسان کو ہر شر سے محفوظ رکھ سکتا ہے، جو کائنات کے کسی گوشے سے انسان کو پہنچ سکتا ہے، بلکہ کائنات کی کسی شے سے انسان کو جو فائدہ پہنچ سکتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت اور قدرت ہی سے پہنچ سکتا ہے۔ اس تصور سے ہر ایک بچے، بوڑھے اور مرد وعورت کے دماغ میں قدرتِ الٰہی کی وسعت بیٹھ جاتی ہے۔

درسِ حدیث

تشریح: مولانا خواجہ عبدالحیٰ فاروقیؒ

تعاونِ باہمی کی اہمیت

عن ابی سعید الانصاری قال: جاء رجل الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: انه ابدع بی فاحملنی فقال: ماعندی . فقال رجل: یا رسول الله انا ادله علی من یحمله. فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من دل علی خیر فله مثل اجر فاعله.

ترجمہ: "ابوسعید انصاریؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی (ﷺ) کے پاس آیا اور کہا کہ میری اونٹنی تھک کر چور ہوگئی ہے۔ میری سواری کا بندوبست کردیجیے۔

آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ: "میرے پاس تو نہیں ہے"۔

اس پر ایک شخص بولا کہ: "اے رسول اللہ (ﷺ)! میں ایسا آدمی بتاتا ہوں، جو اس کو سواری دے دے گا"، رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: "جو شخص کسی کو کسی نیک کام کرنے کا موقع دے اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس کام کے کرنے والے کو ملے گا"۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم، الفصل الاول)

اس حدیث میں باہمی میل جول کا ایک ایسا قاعدہ بتایا گیا ہے جس پر اسلامی سوسائٹی کا دارومدار ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر وقت آپس میں ایک دوسرے کی مدد کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اور تعاونِ باہمی سے کام لینا چاہیے۔ انسانی معاشرے کی ترقی کا دارومدار اسی تعاونِ باہمی کو اختیار کرنے پر ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص خود ذاتی طور پر ضرورت مند کی مدد کرنے کے لائق نہیں تو وہ کسی ایسے دوسرے شخص سے سفارش کردے جو اس کی مدد کرسکتا ہو۔ اس صورت میں سفارش کرنے والے اور مدد کرنے والے دونوں کو فائدہ ہوگا، گویا اگر خود تعاون نہیں کرسکتا تو کسی دوسرے سے سفارش کرا کر مسلمان بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تعاون کرنا چاہیے۔

حدیث میں انسانوں کی ایک ایسی ضرورت کا بیان ہے، جس کے پورا ہوئے بغیر سارے کام رُک جاتے ہیں۔ کیوں کہ اگر کسی کی اونٹنی تھک کر چور ہوجائے تو وہ گویا سواری سے محروم ہوگیا اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگیا۔ اسی پر اور انسانی ضرورتوں کو قیاس کرلینا چاہیے۔ مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں ہر ایک کی ضرورت کا علم ہونا چاہیے، اور ضرورت مند کو بھی جس چیز کی ضرورت بہت سخت ہو، تو اسے اپنی ضرورت مسلمانوں کی جماعت کے سردار کو جتا دینی چاہیے۔ اگر خود سردار کے پاس اس وقت کچھ نہ ہو تو حاضرین میں سے جس کو قدرت ہو اس کی ضرورت خود پوری کردینی چاہیے۔ اگر خود پوری نہ کرسکے تو ضرورت مند کو ایسے آدمی کے پاس بھیج دے جو اس کی ضرورت کو پورا کردے۔

عقل منداس حدیث پر تھوڑا سا غور کرنے سے سمجھ سکتا ہے کہ اسلام مسلمانوں کو کس قدر سیدھے سادے طریقے سے رہنا سکھانا چاہتا ہے، جس میں کسی کی ضرورت اٹکی ہوئی نہیں رہ سکتی۔ اور حقیقت میں انسانوں کے مل جل کر رہنے کا مقصد بھی یہی ہے ورنہ پھر مل جل کر رہنے میں اور الگ رہنے میں کیا فرق ہوگا۔ اگر ایک شخص شہری اجتماعی زندگی اختیار کرتا ہے اور پھر بھی ضرورت کے وقت اسے پریشان پھرنا پڑتا ہے تو وہ اس شخص کے برابر ہے جو جنگل میں تنہا پھنس گیا ہو۔

اس حقیقت کے ساتھ ساتھ اس امر کو بھی نہ بھولنا چاہیے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی شخص بغیر ضرورت سوال نہ کرے اور ضرورت کے وقت بھی سوال ہر ایک سے نہ کرے بلکہ جماعت کے لیڈر سے کرے اور سربراہِ جماعت کے پاس یا تو اتنا سامان ہونا چاہیے کہ وہ ضرورت مند کی وقت پر مدد کرسکے یا اس کے اردگرد کے لوگوں میں سے جس کے پاس مدد کا سامان ہو، وہ فوراً ضرورت مند کو مدد پہنچائے۔ ایک دوسرے کی مدد کرنے میں لالچ اور بخل کو ہرگز روا نہ رکھے۔ اسلامی معاشرہ کا امتیازی نشان ایک دوسرے سے میل جول کرنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے۔ نیز جہاں تک ہوسکے ایک دوسرے کے لیے باعثِ زحمت نہ بنے بلکہ باعثِ رحمت بنے۔

www.rahimia.org

سیاسی شعور: ایک اہم دینی فریضہ

قوموں کی زندگی میں ایک مستحکم سیاسی نظام کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ سیاسی استحکام پر مبنی ملکی نظام ہی افراد کی شیرازہ بندی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ قوموں کے لیے آزادی، امن، عدل وانصاف اور معاشی خوش حالی کا حصول ایک مضبوط سیاسی قوت اور باشعور سیاسی قیادت کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔

کسی قوم کے لیے مستحکم سیاسی نظام اور باشعور سیاسی قیادت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء علیہم السلام کرتے تھے، حتیٰ کہ اگر ایک نبی دنیا سے تشریف لے جاتے تو دوسرے نبی ان کی جگہ اسی کام کے لیے مقرر ہوجاتے''۔ گویا بنی اسرائیل کی سیاسی قیادت انبیاء علیہم السلام کرتے تھے، یوں نبوت کی اہم ترین ذمہ داریوں میں قوموں کی سیاسی راہنمائی کرنا بھی ہے۔ اور قوموں کی تعمیر وتشکیل میں ایسی راہنمائی کی بڑی اہمیت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، البتہ میرے بعد خلفاء ہوں گے، اور وہ کثرت سے ہوں گے''، گویا انبیاء کی وراثت اور خلافت کے حاملین پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ قوموں کی سیاست میں اہم کردار ادا کریں، اور ان کے ملکی اور قومی مسائل کے حل کے لیے جدوجہد اور کوشش کریں۔ سیاست کا بنیادی کام کسی جغرافیائی حدود میں بسنے والے انسانوں کی آزادی وحریت، امن و سلامتی، عدل وانصاف اور معاشی خوشحالی کو یقینی بنانا ہوتا ہے۔ اور ان امور کی انجام دہی کے لیے ایک مستحکم اور مضبوط سیاسی نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ہر سیاسی نظام کے لیے باشعور سیاسی قیادت اور منظم جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دورِ حاضر کے مفکر حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: ''کل نظام لابدلہٗ من سائس'' ہر ایک نظام کو چلانے کے لئے سیاست دانوں کی ضرورت ہوتی ہے'' ۔ چنانچہ کسی ملک وقوم کی ترقی میں سیاسی قیادت کا بڑا اہم اور بنیادی کردار ہوتا ہے۔ ان کے بغیر قوم ترقی نہیں کرتی ہے۔ سیاسی قیادت میں اس بات کی اہلیت ہونی چاہیے کہ وہ قومی اور بین الاقوامی حالات کے شعور سے بہرہ ور ہو۔ اس میں جذباتی پن اور سطحیت کی بجائے حالات کا گہرا ادراک ہو اور ملکی اور قومی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے صحیح حکمتِ عملی بنانے کی اہلیت ہو، معروضی حقائق کو سامنے رکھ کر فیصلہ سازی کی جرأت وہمت اور صلاحیت ہو، قوم کی صحیح سمت میں راہنمائی کرنے، اور حکمتِ عملی کے ساتھ اس پر چلانے کی عقل اور شعور موجود ہو۔ جب کہ نااہل قیادت قوم میں تشدد بھڑکانے، قتل وغارت گری میں مبتلا کرنے، قومی تقاضوں کو نظر انداز کردینے، ذاتی مفادات کے لیے نوجوانوں کو بغاوت اور بدامنی پر اکسانے اور اپنے سے زیادہ بڑی طاقت سے ٹکرا کر قوموں کو تباہ کرنے کا کام کرتی ہے۔ ایسی بے شعور اور نااہل قیادت قوموں کے زوال کا سبب ہوا کرتی ہے۔ اور اگر ایسی قیادت قوموں پر مسلط ہوجائے، یا قوم ایسے نالائق اور نااہل لوگوں کو اپنا لیڈر بنالے، تو اس قوم کی ''قیامت'' دنیا میں واقع ہوجاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ'' جب ملکی معاملات نااہل لوگوں کے سپرد کردیئے جائیں تو اس قوم کے قیامت خیز زوال کا انتظار کرو''۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل اور باشعور قیادت کا ہونا ملکوں اور قوموں کے لیے زندگی اور موت کا سوال ہوتا ہے۔ آج کے دورِ زوال میں بڑی ضرورت ہے کہ سیاسی شعور کی اہمیت کو پیش نظر رکھا جائے، اور نوجوان نسل میں خاص طور پر اس حوالے سے کام کیا جائے۔ ہر قوم اپنی ملکی ضروریات سے متعلق شعبوں کے لیے نسلِ نو میں افراد سازی کا کام کرتی ہے۔ سیاست کا اہم ترین شعبہ بھی افراد سازی کا متقاضی ہے، یہ انبیاءؑ والا کام ہے۔ اور دین کا بڑا اہم ترین شعبہ ہے۔ اس کے لیے رجال کار تیار کرنا اور اس حوالے سے قومی سوچ کی حامل باشعور قیادت تیار کرنا وقت کی ضرورت اور بنیادی دینی تقاضہ ہے۔ اس کے بغیر دنیاوی اور اخروی کامیابی کا حصول مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حوالے سے ہمیں عقل وشعور نصیب فرمائے۔ (مدیرِ اعلیٰ)

ریاست کا بحران اور ہماری ذمہ داریاں

محمد عباس شادؔ

پاکستان کو قائم ہوئے ساٹھ سال بیت چکے، ہمارا یہ ملک روزِ اول سے ہی بحرانوں کی زد میں ہے نہ جانے ابھی ہمیں اپنی زندگی میں کن کن بحرانوں سے گزرنا پڑے گا۔ اگر کسی ریاست کی پشت پر مضبوط اجتماعی نظریہ ہو اور وہ ریاست کسی سسٹم پر قائم ہو تو بحرانوں پر قابو پالیتی ہے ورنہ بحران ریاست کو نگل جاتے ہیں۔ ہماری ساٹھ سالہ تاریخ بحرانوں کی تاریخ ہے۔ لیاقت علی خاں کے اندھے قتل سے لے کر بینظیر کے بہیمانہ قتل، ایوب خاں کے مارشل لاء سے لے کر پرویز مشرف کے مواخذے، غلام محمد کے دستور ساز اسمبلی توڑنے سے غلام اسحاق خاں کے اسمبلیاں تحلیل کرنے، ممبئی حملوں سے لبرٹی حملوں، 65 کی جنگ سے لے کر کارگل، مشرقی پاکستان میں فوجی کاروائی سے باجوڑ، وزیرستان اور سوات، مسلم لیگ کے سپریم کورٹ پر حملے سے لے کر افتخار چوہدری کی بحالی، قیامِ پاکستان کے فوراً بعد سرحد میں ایک منتخب حکومت کو خود ''بابائے قوم'' کے برطرف کرنے سے لے کر موجودہ پنجاب حکومت کی برطرفی تک ہم نے بحرانوں کا ایک جنگل کاشت کیا ہے، اب اس میں مسائل، پراہلم اور مشکلات کے اتنے شیر، گیدڑ، بھیڑیئے اور لکڑبھگڑ پیدا ہوچکے ہیں کہ ہم ہر وقت خوف زدہ رہتے ہیں کہ کس وقت کہاں سے ہمارے اوپر حملہ ہوتا ہے۔ اور خوف زدہ عوام سیاسی نجومیوں کی طرف دیکھنا شروع کردیتے ہیں کہ اب وہ نئی سیاسی کروٹ کے بارے کیا پیشین گوئی کرتے ہیں، پہلے ہمارے ہاں یہ منصب پیر آف پگارا نے سنبھال رکھا تھا اب شیخ رشید حکومت بدلنے کی تاریخیں بتاتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے ہارنے کی قطعاً بھی پیشین گوئی نہیں کی تھی۔ کوئی شخص درخت کی شاخ پر بیٹھا اسی شاخ کو کاٹ رہا تھا جس پر بیٹھا تھا ۔ کسی گزرنے والے نے کہا شاخ کٹی تو تم بھی گر جاؤ گے لیکن اس نے سنی ان سنی کردی جب وہ شاخ کاٹ چکا تو دھڑام سے خود بھی نیچے آگیا، گرتے ہی وہ اس پیشین گوئی کرنے والے کے پیچھے دوڑ پڑا کہ تم تو اللہ کے ولی ہو کہ تمہاری پیشین گوئی چند لمحوں بعد سچ ثابت ہوگئی۔ اب ہمارے عوام کو ایسی پیشین گوئیوں پر کان دھرنے ۔ کے بجائے اصل حقائق پر سوچنے کی مشق کرنی چاہیے کہ جس شاخ کو ہمارے حکمران، سیاست دان، مذہبی رہنماء، جج، وکلاء اور بیوروکریٹس اور مسلح افسر شاہی ساٹھ سال سے مل کر کاٹ رہے ہیں اس پر سے گرنے کی پیشین گوئی کون سی ولایت ہے کہ ہم پھر ان کے پیچھے دوڑتے چلے جائیں۔ اقتدار کی غلام گردشوں میں ہونے والے معاملات سے تو وہی واقف ہوسکتا ہے جو ایوانِ اقتدار کے دروازے کے پیچھے چھپ کر بیٹھا ہو کیونکہ یہ بات تو طے ہے کہ میڈیا کو اتنی ہی خبر جاری کی جاتی ہے جتنی مقتدر قوتوں کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا خبر کے اندر کی خبر اور ہر خبر پر نظر ایک فریب ہے۔ جنگل کے کسی کونے کھدرے سے جب کوئی بحران سر نکالتا ہے تو بعض باشعور دوست بھی اس میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور ایک سوالات کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے کہ اب کیا ہوگا؟ کون کونسا داؤ پیچ کھیلے گا؟ اور حتمی نتیجہ کیا نکلے گا؟ حد سے زیادہ ضروری کام چھوڑ کر ہم اپنا قیمتی وقت اس پر صرف کرنے لگتے ہیں۔ جب کہ ہم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ اس سسٹم میں اچھا کچھ بھی نہیں ہوگا اور داؤ پیچ کھیلنے والے کسی صحت مند سیاسی سوچ کا مظاہرہ کرنے کے بجائے سازش اور اوچھے ہتھکنڈوں کا اظہار کریں گے اور نتیجتاً وہی بحرانوں کی بندگلی جس میں ساٹھ سال سے موجود ہیں۔ دراصل یہ بحران جن سے ہم آئے دن دوچار ہوتے ہیں یہ کسی ایک جماعت، کسی ایک شخصیت یا کسی ایک خاص اقدام کا نتیجہ نہیں بلکہ ریاست، اس کے اداروں اور سسٹم کا بحران ہے، ہماری معیشت، سیاست، سماج اور ثقافت سبھی اس بحران کی زد میں ہیں جس کی تہہ میں غربت، پسماندگی، نفرت، تشدد اور سازشوں کی پوری ایک زنجیر ہے جس کی جڑیں ہماری تاریخ میں ہیں یعنی یہ مرض کسی ایک عضو کا نہیں بلکہ یہ پورے وجود کا کینسر ہے۔ جس سے نجات کسی معمولی اقدام کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے ہمہ گیر بحران کے دور میں باشعور نوجوانوں کو سامراجی ذرائع ابلاغ کی دلدل میں پھنس جانے کے بجائے مستقبل کی صورت گری کے لئے شعوری طور پر کوشاں رہنا چاہیے۔

www.rahimia.org

خطبہ جمعۃ المبارک

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب
ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

مؤرخہ: 30 جنوری 2009ء، بمقام ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ، لاہور — ضبط وتحریر: مولانا محمد جمیل

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم، امّا بعد: قال اللہ تبارک وتعالیٰ: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○

معزز دوستو! انسان کی کامیابی اس بات میں پوشیدہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت حاصل کرے، یہ انسانیت کی بنیادی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کرے۔ اس کی محبت اپنے دل میں پیدا کرے، اگر کسی کی فطرت مسخ نہ ہوئی ہو تو اس کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنی چاہتوں اور محبتوں کا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف کرے۔ یہ ایسا ہی فطری عمل ہے، جس طرح ایک انسان کو اپنی ماں اور باپ سے ایک تعلق اور ربط ہوتا ہے یا والدین کا اپنی اولاد سے تعلق فطری ہے، یہ کسی کے بتانے اور نصیحت کرنے سے نہیں ہوتا۔ اسی طرح فطرت انسانی بھی تقاضا کرتی ہے کہ اس کی چاہتوں کا رخ اُس ذات کی طرف ہو جس نے اس کو پیدا کیا اور اس کی پرورش کی ہے۔ اب جس طرح انسان کو اپنے والدین کے ساتھ محبت کا تعلق ہوتا ہے اس سے زیادہ تعلق انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی ہونا چاہیے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ میں اپنا تعارف کراتے ہوئے ''الرحمٰن الرحیم'' کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ ''الرحیم'' میں ماں کی محبت کی انتہاء اور ''الرحمٰن'' میں باپ کی محبت کی انتہاء ہوتی ہے تو گویا کہ ہر انسان اپنی فطرت کے تقاضے کی روشنی میں اللہ تعالیٰ سے تعلق کو قائم کرلیتا ہے۔ اسی پس منظر میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ'' کہ ''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے''۔ اس کے اندر اللہ سے تعلق اور محبت کا تقاضا فطرت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس بچہ کے اردگرد کا ماحول، نظام اور اس کے والدین بچہ کے خیالات پر اثر انداز ہوتے ہیں اگر وہ غلط ہوں تو اس کو فطرت سے دور کردیتے ہیں۔ جو بچہ بچپن سے ہی اپنے والدین سے الگ ہوجائے اور دوسروں کی آغوش میں رہے تو اس کو اپنے والدین کی پہچان ختم ہوجاتی ہے۔ جو تعلق اور محبت اپنے والدین کے ساتھ ہونا چاہیے تھا وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ قائم ہوجاتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے تعلق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ غیر اللہ سے تعلق ختم کردیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمام مخلوقات کی نفی کرنا اور اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنا ہی دراصل فطرت انسانیت ہے۔ اس لیے ایک مسلمان جب کلمہ طیبہ پڑھتا ہے تو دراصل وہ اپنی فطرت کا اظہار کرتا ہے۔ اپنی فطرت کی نمائندگی کرتا ہے کہ وہ اس کائنات میں کسی دوسری مخلوق کو خدائی اختیارات کا مالک نہیں سمجھتا وہ صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق، محبت اور عشق قائم کرنا چاہتا ہے۔ خود لفظِ اللہ بھی عربی زبان میں محبت اور عشق پر دلالت کرتا ہے۔ تو گویا کہ مرکزِ عشق و محبت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جب انسان اس صفت کا اظہار کرتا ہے تو بعض دفعہ انسان کے اردگرد موجود نظام اس سے متصادم ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی بچہ کو اس کے حقیقی والدین سے کاٹ دیا جائے، اغوا کرلیا جائے اور دوسرے لوگ اس کو اپنی گرفت میں لے لیں تو وہ بچہ جب بھی اپنی فطرت کا اظہار کرتے ہوئے والدین سے محبت کا اظہار کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ لوگ مزاحمت کریں گے۔ اب ایسی مزاحمت کا مقابلہ کرنے کے لیے استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت میں فرمایا ہے کہ: ''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کا اظہار کیا۔ اپنی اس فطرت کا اظہار کیا اور پھر اس پر استقامت اختیار کی، پختہ ارادے کے ساتھ عزم کا اظہار کیا، یہ حقیقت ہے کہ انسان کے اردگرد کا نظام اس کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتا ہے، تعلق کو توڑتا ہے لیکن اگر وہ انسان اس نظام کا مقابلہ کرتا ہے اور اس تعلق کو ختم نہیں ہونے دیتا اور اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت کو اپنے دل ودماغ میں گہرائی کے ساتھ قائم کرلیتا ہے۔ اپنے جسم کے تمام اعضاء میں اس کی محبت کو رچا بسا لیتا ہے۔ وہ انسان اللہ تعالیٰ کے تعلق کے نتیجہ میں انسانی زندگی میں کردار ادا کرتا ہے اور پھر اس پر استقامت اختیار کرتا ہے تو درحقیقت یہ بہت اونچا عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کے کچھ عملی تقاضے پیدا ہوتے ہیں، جس طرح کہ والدین سے تعلق قائم ہونے سے تقاضے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بات کافی نہیں ہے کہ زبانی محبت کا ظہار کیا جائے، بلکہ اس کے احکامات پر عمل بھی کیا جائے، اس کی مرضی کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ ایک آدمی اپنی والدہ سے محبت کا اظہار بھی کرے اور اس کی ہدایات کو نظر انداز بھی کرے۔ کھیل کود میں مشغول بچہ اس کام کو اچھا خیال کرتا ہے لیکن والدین یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر یہ کام حد سے تجاوز کرجاتا ہے اور اس کی تعلیم میں نقصان ہوتا ہے تو یہ کھیل کا عمل بچے کے مستقبل کے لیے نقصان دہ ہے۔ جہالت اور حماقتیں بچہ کے مستقبل کو تباہ کردیتی ہیں، اب والدین کی ناراضگی اور بچے کو کھیل کود سے روکنے کا عمل دراصل ایک خاص مقصد کے لیے ہے، وہ مقصد یہ ہے کہ اس کا مستقبل سنور جائے۔ اب والدین اپنے بچہ کا دنیاوی مستقبل بہتر بنانا چاہتے ہیں، عموماً والدین کے پیش نظر بچوں کا دنیاوی مستقبل ہی ہوتا ہے۔ اسی حوالہ سے والدین اس کی رہنمائی بھی کرتے ہیں۔ لیکن اللہ رب العزت سے تعلق کے حوالہ سے یہ بات دیکھنی ہے کہ انسان کا مستقبل کہاں تک ہے۔ اس کے مستقبل کے دائرے کون کون سے ہیں جہاں اس نے آگے بڑھنا ہے، آیا انسان کا مستقبل تیس چالیس سال کا ہے، نہیں بلکہ دنیا سے اُٹھ جانے سے انسان کا مستقبل ختم نہیں ہوجاتا بلکہ اس نے ایک طویل سفر کرنا ہے اور اس سفر میں انسان نے کامیاب ہونا ہے اگر انسان اس میں کامیابی کے لیے جدوجہد کرے گا تو کامیاب ہوجائے گا۔ وقت کا نبی والدین سے زیادہ شفیق ہوتا ہے، وہ انسانیت کو اس کا مستقبل بتلانا چاہتا ہے۔ والدین تو کسی حد تک دنیا کی کامیابی کا خیال کرتے ہیں لیکن نبی، ولی اور ان کی اِتباع کرنے والے لوگوں کے پیش نظر صرف دنیا کی زندگی نہیں بلکہ اس کے بعد کی زندگی بھی ان کے پیش نظر ہوتی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ یہ جو اَعمال اِنسان کررہا ہے موت کے بعد اس کے نتائج اچھے نہیں نکلیں گے۔ انسان کے اردگرد جو غلط ماحول ہے اور اس میں جو بداَخلاقیاں ہیں وہ بظاہر بڑی خوش نُما ہیں انسان ان کی طرف لپکتا ہے۔ وہ تمنائیں اور خواہشات اچھی لگتی ہیں لیکن ان خواہشات اور تمناؤں کے پورا ہونے کے نتیجہ میں اس کا مستقبل تباہ ہوجائے گا۔ اس لیے انسان کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ وہ خواہشات میں درست اور غلط کی تمیز پیدا کرے۔ انسانی نفس جن چیزوں کا مطالبہ کررہا ہے۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کونسا مطالبہ درست ہے اور کونسا مطالبہ غلط ہے، اور پھر غلط مطالبہ اور تقاضہ سے بچنا اور درست مطالبہ کو ضرورت کی حد تک پورا کرنا ضروری ہے تو گویا کہ ایک مسلمان دنیا کے کاموں کی نفی نہیں کرتا بلکہ وہ ان اعمال میں سے انتخاب کرتا ہے اور تمیز کرتا ہے کہ کس وقت کونسا عمل کیا نتیجہ پیدا کرے گا۔ مثال کے طور پر کسی بچہ کو کھیل سے بالکل منع کردینا اور ہر وقت اس بچہ کو کتاب کی پڑھائی کے لیے لگائے رکھنا، یہ عمل اس بچہ میں کوئی مثبت رویّہ نہیں پیدا کرے گا بلکہ منفی رویہ پیدا کرے گا۔ چنانچہ کھیل کی اجازت اس حد تک دی جائے جو اس کی صحت اور جسم کے لیے ضروری ہے لیکن سارا وقت اسی میں ضائع کردینا یہ انتہا پسندی ہے۔

دین اسلام کی تعلیمات کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ تمام دائروں میں اعتدال پیدا کرتا ہے کہ انسان کے لیے اس کائنات کی تمام مفید سرگرمیوں میں شرکت ضروری ہے، مثال کے طور پر انسان کی معاشی ضروریات ہیں، تو ان کو پورا کرنے کے لیے معاشی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لے کر ان ضروریات کو پورا کرنے کی جدوجہد کرے۔ دین اسلام نے اس کی ایک حد مقرر کی ہے کہ انسان کی یہ جدوجہد تعیّشات، سرمایہ پرستی اور ظلم وستم تک نہ پہنچے، بلکہ اس میں اعتدال اور اصل مقاصد پیش نظر رہیں کہ اپنی ضروریات کو پورا کرنا ہے اور انسانیت کی خدمت سرانجام دینی ہے۔ اسی طرح زندگی کے دیگر دائرے ہیں کہ ان میں انسان کی شرکت ضرورت کے درجہ میں رہے اور اعتدال قائم رہے تو درست ہے ورنہ غلط نتائج نکل سکتے ہیں۔ تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعہ سے انسانیت کو جو تعلیمات دی ہیں درحقیقت وہ اعتدال پر مبنی ہیں کہ انسان کا ہدف اس دنیا میں یہ ہے کہ اس نے دنیا کی کامیابی اور آخرت کی کامیابی کی بنیاد پر جدوجہد کرنی

www.rahimia.org

ہے۔ تو اب گویا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو ظاہر کرتے ہوئے انسان یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور طاقت نہیں اور پھر اس پر جماؤ اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی محبت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا نظام دنیا میں قائم کرنا انسان کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ ایک بچہ جس کے لیے اس کے والدین نے تعلیم کا بہترین انتظام کیا ہو اعلیٰ تعلیمی ادارے میں داخلہ دلوایا ہو تا کہ وہ اپنے اندر اعلیٰ درجہ کی مہارت پیدا کر سکے، اب اس بچہ پر لازمی ہے کہ وہ ان کے بنائے ہوئے نظام اور طریقۂ کار پر عمل کرے۔ اور اس سسٹم کے مطابق اپنے آپ کو آگے بڑھائے۔ دنیا کا کوئی مہذب معاشرہ اور والدین اپنے بچوں کے لیے تعلیم کا سسٹم قائم کیے بغیر اس کی تربیت نہیں کرتے تو کیا اللہ تعالیٰ جس نے پوری مخلوق کو ایک کنبہ قرار دیا ہے اس نے مخلوق کے لیے کوئی نظام وضع نہیں کیا؟ کیا اسلام کا کوئی نظام نہیں ہے؟ وہ صرف ایک رسم، عقیدہ اور ایک وجدانی کیفیت کا نام ہے؟ حالانکہ اللہ کی محبت والدین کی محبت سے سو گنا زیادہ ہے، تو جب دنیا کے اندر کم محبت والے اپنی اولاد کی تربیت کے لیے ایک نظام وضع کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے تو اعلیٰ ترین نظام قائم کیا ہے۔ جو بچہ بغیر نظام اور سسٹم کے تعلیم حاصل کرتا ہے، وہ اپنے اندر اعلیٰ مہارتیں پیدا نہیں کر سکتا اس کے مقابلہ میں وہ بچہ جو ایک اچھے نظام میں تعلیم حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے اندر اچھا نظام چلانے کی مہارتیں پیدا کر لیتا ہے۔ مسلمان جماعت در حقیقت اس خدائی سسٹم اور نظام کو چلانے کے لیے بنائی گئی ہے، یہ مسلمان جماعت انسانیت پر مسلط نہیں کی گئی کہ طاقت کی بنیاد پر مسلط ہو کر انسانیت کو یرغمال بنا لے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو فرمایا کہ اے نبیؐ! آپ ان پر مسلط نہیں کیے گئے (لست علیہم بمسیطر) بلکہ انسانیت کے لیے آپؐ نے ایک نمونہ کا نظام قائم فرمایا جس کی وجہ سے انسانیت نے آپؐ کی بات کو تسلیم کیا۔ ایک سائنسدان نے کوئی چیز انسانیت کی سہولت اور فائدے کے لیے ایجاد کی اور مارکیٹ میں آ گئی تو تمام لوگ فوراً اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کو بنانے والا کون ہے۔ دین اسلام پر مبنی نظام انسانیت کے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے، اس کی مشکلات کو دور کرتا ہے تو انسانیت اسے کیوں قبول نہیں کرے گی۔ اسی لیے جب حضورؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ تم کو اس علاقہ کی حکمرانی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ آپ کا بنیادی کام آسانیاں پیدا کرنا ہے، مشکلات پیدا کرنا نہیں۔ لوگوں کو خوش خبریاں سنانا ہے ان میں نفرتیں پیدا کرنا نہیں۔ اب اس کے بعد یمن والوں نے خود تجزیہ کیا کہ ایک طرف یہ حکمران ہیں اور دوسری طرف ہماری اپنی نسل اور مذہب کے لوگ حکمران تھے، ان دونوں کے طرز حکمرانی میں کیا فرق ہے وہ لوگ اس کو سمجھ کر خود بخود دین کا نظریہ قبول کر رہے ہیں۔

نظریہ اور علم حاصل کرنے کے بعد اس کے تقاضوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا بڑا بنیادی کام ہے، اسی کو قرآن حکیم نے استقامت سے تعبیر کیا ہے۔ جب انسان جدوجہد کرتے ہوئے صبر و استقامت اختیار کرتا ہے اور ظلم کے حالات کا مقابلہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نازل ہوتی ہے۔ فرشتے نازل ہو کر ان کو تسلی دیتے ہیں کہ ان کو نہ خوف ہے نہ غم ہے، کہ گویا کہ ان کو مستقبل میں کسی قسم کا ڈر نہیں اور نہ ہی اپنے ماضی پر کوئی غم ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ سے تعلق جتنا مضبوط ہوگا اتنے ہی بہتر نتائج نکلیں گے اسی لیے حضورؐ سے لے کر تمام اولیاء اس بات پر زیادہ زور دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کو مضبوط بنایا جائے، تا کہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے نظام کو جرأت مندی اور بہادری کے ساتھ غالب کرنے کی کوشش کی جائے اور ولایت دراصل اسی چیز کا نام ہے۔ ولایت ہوا میں اڑنے کا نام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کو مضبوط بنا کر اس کے نظام کو غالب کرنے کی جدوجہد کرنے کا نام ہے۔ اسی جدوجہد کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات بتائے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مہمان نوازی کی جائے گی۔ آج کے مایوسی کے ماحول میں اس بات کی ضرورت ہے کہ اپنے آپ کو بزدلی سے نکال کر غلبۂ دین کے لیے وقف کر دیا جائے تا کہ انسانیت کے لیے پریشانیاں اور مشکلات ختم ہوں، انسانیت خدا کی معرفت حاصل کر کے اس کے قریب ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ دین کی درست سمجھ عطاء فرمائے اور اس کے مطابق اپنی عملی زندگی میں تبدیلی پیدا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

وفیات

صدر ادارہ رحیمیہ کی والدہ محترمہ کا انتقال پُر ملال

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کے صدر محترم جناب حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر سعید الرحمٰن زید مجدہم کی والدہ محترمہ اور استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد بدیع الزماں رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ طویل علالت کے بعد مورخہ 28 فروری 2009ء بروز ہفتہ کو بقضائے الٰہی کراچی میں انتقال فرما گئیں۔ مرحومہ کافی عرصہ سے صاحب فراش تھیں، انہوں نے بڑی تکلیف اٹھائی، اور بڑی صبر و استقامت کے ساتھ انہیں برداشت کرتی رہیں۔ ان کی نماز جنازہ یکم مارچ کو بعد نماز ظہر کراچی میں ادا کی گئی، اور ڈالمیا کے قبرستان میں انہیں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

حضرت مفتی صاحب اور ان کے برادران حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا عطاء الرحمٰن صاحب اور ان کی ہمشیرگان کو والدہ کی جدائی سے بڑا صدمہ اٹھانا پڑا، حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ اور دیگر تمام اراکینِ ادارہ رحیمیہ بھی ان کے صدمہ اور غم میں برابر کے شریک ہیں۔ حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ اور دیگر تمام اراکینِ شوریٰ نے حضرت مفتی صاحب اور ان دیگر برادران سے دلی تعزیت کی، اور مرحومہ کی مغفرت کے لیے دعاء فرمائی۔

ابھی کراچی کے سفر کے دوران حضرت رائے پوری ان کی مزاج پُرسی کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ مولانا عطاء الرحمٰن صاحب سے ملاقات ہوئی تھی، انہوں نے طبیعت کی خرابی اور تشویش ناک حالت کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس نے دعا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔ اور حضرت مفتی صاحب سمیت ان کے تمام خاندان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ آمین

دہلی میں ماسٹر عبدالوحید دہلوی کا انتقال پُر ملال

دہلی (انڈیا) سے حافظ محمد ناظم صاحب نے اطلاع دی ہے کہ حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کے متوسل اور آپ کے اسفار کے منتظم جناب ماسٹر عبدالوحید صاحب مورخہ: 18 فروری 2009ء بروز بدھ کو دہلی میں بقضائے الٰہی انتقال فرما گئے، ماسٹر صاحب جامع مسجد دہلی کے قریب واقع ایک دینی مدرسہ میں تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں میں مصروف تھے، کہ دل کا جان لیوا دورہ پڑا، فوری طور پر ہسپتال لے جایا گیا لیکن جانبر نہ ہو سکے، اور راستہ میں ہی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ مرحوم کو مشائخ رائے پور کے ساتھ بڑا ہی عقیدت مندانہ تعلق تھا، آپ بڑے ذاکر شاغل انسان تھے، ہمہ وقت معمولات میں مشغول رہتے تھے، یا پھر تعلیمی اور تدریسی ذمہ داریاں پوری کرنے میں مصروف رہتے تھے، پاکستان میں حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ سے مسلسل رابطہ رکھتے تھے اور اکثر خطوط لکھتے رہتے تھے، تقریباً ہر ماہ حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ اور مفتی عبدالخالق آزاد صاحب اور سید مطلوب علی زیدی صاحب کے نام ان کے خطوط آتے رہتے تھے جس میں وہ انڈیا کے سفر کے لیے مسلسل دعوت دیتے رہتے، خود بھی سال میں ایک مرتبہ ضرور پاکستان تشریف لاتے، اور حضرت اقدس مدظلہ العالی کی معیت اور صحبت میں وقت گزارتے تھے، حضرت انڈیا تشریف لے جاتے تو بہت خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔ اور دہلی میں انتظامات کے لیے بڑی بھاگ دوڑ کرتے تھے، ان کے انتقال پُر ملال پر حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ اور دیگر تمام اراکینِ ادارہ رحیمیہ نے گہرا دکھ اور غم محسوس کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، اور بلند درجات عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان اور صاحبزادگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ حضرت اقدس رائے پوری ان دنوں کراچی کے سفر پر تھے۔ وہاں اجتماعات میں ان کے لیے مغفرت کی دعاء فرمائی۔

ادارہ رحیمیہ اور اس سے ملحقہ مدارسِ دینیہ میں حضرت مفتی صاحب کی والدہ محترمہ اور ماسٹر صاحب کے لیے خصوصی دُعاء کرائی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان مرحومین کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین

www.rahimia.org

حضرت اقدس مولانا

شاہ سعید احمد

حضرت اقدس رائے پوری کا دورۂ کراچی

رپورٹ ملک عمران کراچی

ادارہ رحیمیہ سے وابستہ احباب کی دعوت پر حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کراچی کے دس روزہ دورہ پر 17 فروری 2009ء کو بوقت 12:15 پر لاہور سے کراچی تشریف لائے، ان کے ہمراہ ناظم اعلیٰ ادارہ رحیمیہ مفتی عبدالخالق آزاد بھی تھے۔ کراچی ایئرپورٹ پر خانقاہ رحیمیہ سے وابستہ سینکڑوں احباب جمع تھے، انہوں نے بڑا پُرتپاک استقبال کیا۔ گاڑیوں کے جلو میں حضرت اقدس رائے پوری ایئرپورٹ سے ''عزیز منزل'' تشریف لائے۔ اس موقع پر جناب مفتی عبدالخالق آزاد نے حضرت اقدس کے دورہ کے حوالے سے ابتدائی خطاب فرمایا، جس میں انہوں نے تربیت وتزکیہ کی اہمیت پر گفتگو فرمائی، اور دین کی جامعیت کے حوالے سے شریعت، طریقت اور سیاست دین کے تینوں شعبہ جات میں تعلیم حاصل کرنے، اور تربیتی رسوخ پیدا کرنے کی اہمیت واضح کی۔ خاص طور پر اعلیٰ اخلاق کے حصول، تزکیۂ قلب اور اخلاصِ عمل کے لیے بزرگوں کی صحبت اختیار کرنے اور ان کی مجالس میں شریک ہونے کی ضرورت پر زور دیا، نیز سماجی عقل وشعور اور اجتماعی حوالے سے فہم وبصیرت پیدا کرنے کے اہم ترین دینی تقاضہ کی وضاحت کی۔ خطاب کے بعد حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ نے دعاء کروائی۔ مغرب کی نماز کے بعد مجلس ذکر منعقد ہوئی۔ جس میں بڑی کثرت سے کراچی کے نوجوانوں اور اہلِ تعلق نے شرکت کی۔ مجلس ذکر کے بعد مفتی عبدالخالق آزاد صاحب نے ''تعمیر سیرت میں صحبت کی ضرورت واہمیت'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اور ذکر اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد پر گفتگو کی۔ اگلے روز 18 فروری 2009ء کو صبح ناشتہ کے بعد گلشن اقبال سے آئے ہوئے احباب نے حضرت اقدس رائے پوری مدظلہٗ العالی سے استفادہ کیا، اس موقع پر حضرت اقدس مدظلہ نے فرمایا: ''اسلام پوری انسانیت کے نفع کے لیے کام کرتا ہے، اسلام ظلم کے خلاف ہے، اور عدل کے قیام سے ہی دنیا جنت بن سکتی ہے۔ ہمیں سچ اور جھوٹ میں تمیز پیدا کرنی چاہیے، اور سچے نظریہ پر شعور حاصل کرنے، اور اعلیٰ اخلاق پر تربیت کی ضرورت ہے''۔ دوپہر بارہ بجے حضرت اقدس رائے پوری، مفتی عبدالخالق آزاد کے ہمراہ اپنی (ماموں زاد) بہن کے انتقال کی تعزیت کے لیے ان کے صاحبزادگان کنور عبدالماجد اور ان کی ہمشیرہ کے گھر تشریف لے گئے۔ جو کہ گزشتہ دنوں کراچی میں انتقال کر گئیں تھیں، دوپہر کا کھانا انہیں کے گھر کھایا اور دعا فرمائی۔ اسی دوران خانقاہِ رائے پور کے قدیم متوسل جناب حکیم ایس ایم اقبال صاحب سے ان کے مطب میں ملاقات ہوئی، ان سے طبی مشوروں کے ساتھ حالاتِ حاضرہ پر گفتگو ہوتی رہی۔ حکیم صاحب کا خاندان پاکستان بننے سے پہلے ضلع سہارنپور میں خانقاہِ رائے پور کے قریب ایک قصبہ میں رہائش پذیر تھا۔ حکیم صاحب پُرانی یادیں تازہ کرتے رہے۔ عصر کی نماز کے بعد دوستوں نے حضرت مفتی عبدالخالق آزاد سے استفادہ کیا، انہوں نے نوجوانوں کے سوالات کے جوابات دیئے۔ نمازِ مغرب کے بعد مجلس ذکر منعقد ہوئی۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے ''ذکر اللہ کی اہمیت اور اس کے فوائد'' بیان کیے۔ انہوں نے فرمایا کہ جس طرح ہم جسمانی امراض میں طبیب حاذق سے رجوع کرتے ہیں، ایسے ہی ہمیں اپنے روحانی امراض کو سمجھنے اور اس کے علاج کے لیے اولیاء اللہ کی صحبت اور ذکر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔ عشاء کی نماز کے بعد بھی سوالات وجوابات کی نشست جاری رہی۔ مؤرخہ 19 فروری 2009ء کو صبح ناشتہ کے بعد حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ لیاری میں ''بیت الحکمۃ'' تشریف لے گئے۔ جس میں اس علاقہ کے نوجوان احباب اور متوسلین بڑی تعداد میں جمع تھے۔ دینی موضوعات پر دوستوں نے سوالات کیئے اور حضرت اقدس رائے پوری اور مفتی عبدالخالق آزاد نے جوابات دیئے۔ نماز ظہر کے بعد مفتی عبدالخالق آزاد نے ''ولی اللہی سلسلہ کے علمائے حق کی جدوجہدِ آزادی میں کردار'' کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔ عصر کی نماز کے بعد حضرت اقدس رائے پوری اور مفتی صاحب خانقاہِ رائے پور کے ایک متوسل جناب عامر حسین قریشی کے گھر تشریف لے گئے، ان کے نومولود بیٹے کی وفات پر تعزیت کی۔ اور ان کے گھر والوں کے لیے دعاء فرمائی۔ نمازِ مغرب کے بعد ''بیت الحکمۃ'' لیاری میں مجلس ذکر منعقد ہوئی، جس میں علاقہ بھر کے نوجوانوں نے شرکت کی۔ عشاء کی نماز کے بعد کیماڑی میں ایک بڑے سیمینار میں شرکت کی۔ اس سیمینار میں سب سے پہلے جناب وسیم اعجاز صاحب نے تعارفی خطاب فرمایا۔ اس کے بعد ''اسلام اور دورِ حاضر کے چیلنجز'' کے عنوان پر مفتی عبدالخالق آزاد نے خطاب فرمایا۔ ان کے بعد حضرت اقدس رائے پوری نے سامعین کو اپنے ملفوظات سے مستفید فرمایا۔ رات 11:30 بجے سیمینار حضرت اقدس رائے پوری کی دعاء سے اختتام پذیر ہوا۔ مؤرخہ 20 فروری 2009 کو نارتھ کراچی کے احباب بڑی تعداد میں حضرت اقدس رائے پوری سے استفادہ کے لیے ''عزیز منزل'' تشریف لائے۔ اور نمازِ جمعۃ المبارک سے پہلے اور بعد دوستوں نے حضرت اقدس مدظلہ ومولانا مفتی عبدالخالق آزاد سے خوب استفادہ کیا۔ نمازِ جمعہ کا خطبہ مفتی صاحب نے دیا، اور نماز پڑھائی۔ نمازِ عصر کے بعد جناب جان محمد گدارو کے مکان پر خواتین کے لیے درس قرآن کا اہتمام تھا، درسِ قرآن مفتی عبدالخالق آزاد نے دیا، حضرت اقدس رائے پوری نے دعاء فرمائی۔ نمازِ مغرب کے بعد حسبِ معمول مجلس ذکر ہوئی۔ جس میں کراچی بھر کے احباب نے بھرپور شرکت کی۔ اس کے بعد ''علوم اسلامیہ کورس میں ''تفسیر اور ترجمہ قرآن'' کی کلاس میں مفتی عبدالخالق آزاد نے سے شرکاء کی راہنمائی فرمائی۔ مؤرخہ 21 فروری 2009ء کو کراچی ایسٹ کے احباب استفادہ کے لیے جمع ہوئے۔ صبح ناشتہ کے بعد ان دوستوں نے حضرت اقدس مدظلہٗ العالی سے بھرپور استفادہ کیا۔ دوپہر کو حضرت اقدس مدظلہٗ جناب محمد عرفان لون صاحب کے گھر تشریف لے گئے۔ انہوں نے خوب پُرتکلف دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ وہاں کھانا کھایا اور اہل خانہ اور تمام دوستوں کے لیے حضرت اقدس نے دعا فرمائی۔ نمازِ ظہر کے بعد واپسی ہوئی۔ اس کے بعد بھی دینی موضوعات پر سوالات وجوابات کی شعوری مجلس جاری رہی۔ عصر کی نماز کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ نمازِ مغرب کے بعد حسب معمول مجلس ذکر ہوئی۔ اور اس کے بعد مفتی عبدالخالق آزاد نے ''ذکر اللہ کی اہمیت اور اس کے فضائل'' پر گفتگو کی۔ عشاء کی نماز کے بعد کراچی کے علمائے کرام سے مفتی آزاد صاحب کی نشست ہوئی۔ رات گئے حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی بھی کراچی تشریف لے آئے۔ اور حضرت اقدس رائے پوری کی معیت میں ''عزیز منزل'' میں ہی قیام کیا۔ مؤرخہ 22 فروری 2009ء بروز اتوار کو لیاقت آباد کراچی میں واقع ''چاندی لان'' میں ایک بڑے سیمینار کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں بہت بڑی تعداد میں علماء، طلباء، پروفیسرز، انجینئرز اور ڈاکٹرز پر مشتمل نوجوان احباب نے بھرپور شرکت کی۔ اس سیمینار کی صدارت جناب محمد عرفان لون نے کی، ابتدائی تعارفی خطاب انجینئر آفتاب احمد عباسی نے کیا۔ ان کے بعد ''تحریکِ آزادی کے مقاصد واہداف'' کے موضوع پر جناب مفتی عبدالمتین نعمانی نے خطاب فرمایا۔ ان کے بعد ''پاکستان میں عدمِ استحکام کے اسباب اور عصری دینی تقاضے'' کے موضوع پر مفتی عبدالخالق آزاد نے خطاب فرمایا، ان کے بعد حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے اسی موضوع پر خطاب فرمایا۔ حضرت اقدس مدظلہٗ نے سیمینار کے اختتام پر دعا فرمائی۔ کراچی کی سطح پر یہ ایک شاندار سیمینار تھا، سیمینار ہال نوجوانوں سے مکمل طور پر بھرا ہوا تھا، نظم وضبط مثالی تھا۔ سیمینار کے بعد لیاقت آباد میں ہی خانقاہ رائے پور کے قدیم متوسل جناب عبدالواحد انصاری کے مکان پر حضرت اقدس مدظلہ العالی اور چند احباب تشریف لے گئے، انہوں نے بڑی پُرتکلف دعوت کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ وہاں کھانا کھایا اور حضرت اقدس مدظلہ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔ نمازِ مغرب ''عزیز منزل'' میں ادا کی۔ بعد ازاں مجلس ذکر منعقد ہوئی۔ اس کے بعد ذکر اللہ کی اہمیت پر مفتی عبدالمتین نعمانی نے گفتگو فرمائی۔ اور شیخ الہند سرکل کے محاضرین کو مفتی عبدالخالق آزاد نے رہنمائی دی، اور ان کے سوالات کے جوابات دیئے۔ مؤرخہ 23 فروری 2009ء کو گلشن اقبال کے احباب حضرت اقدس سے استفادہ کے لیے جمع ہوئے۔ حضرت اقدس رائے پوری اور مولانا نعمانی سے ان دوستوں نے بھرپور استفادہ کیا۔ نمازِ عصر کے بعد حضرت اقدس رائے پوری مع

www.rahimia.org

اپنے رفقاء لیاقت آباد ایف سی ایریا میں جناب ریحان بیگ کے گھر تشریف لے گئے۔ جہاں نماز مغرب کے بعد مجلس ذکر منعقد ہوئی، اس کے بعد ایک دینی موضوع پر مفتی عبدالخالق آزاد نے خطاب فرمایا، جناب مفتی عبدالمتین نعمانی سے علوم اسلامیہ کورس کے اساتذہ نے رہنمائی لی۔ عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھایا، اور اہل خانہ اور دیگر احباب کے لیے حضرت اقدس نے دعا فرمائی۔ مؤرخہ 24 فروری 2009ء کو لیاری کے احباب حضرت اقدس مدظلہ العالی سے استفادہ کے لیے "عزیز منزل" میں جمع ہوئے۔ جہاں انہوں نے سارا دن حضرت اقدس مدظلہ العالی، مولانا نعمانی اور مفتی عبدالخالق آزاد سے مختلف مجالس میں خوب استفادہ کیا۔ سہ پہر تین بجے کراچی کے علماء نے مفتی عبدالخالق آزاد سے استفادہ کیا۔ ان علماء میں حضرت مولانا عطاء الرحمٰن شیرازی، مہتمم جامعہ شیرازیہ، کراچی، مولانا عبدالمتین قریشی صاحب، مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب، مولانا غلام مصطفیٰ صاحب، مولانا زوہیب حسن صاحب، مولانا سید قمر صاحب، مولانا مظہر معاویہ صاحب، مولانا عمر تواب صاحب، مولانا عثمان غنی صاحب، مولانا عبدالرحمٰن صاحب، وغیرہ علماء نے شرکت کی۔ عصر کی نماز کے بعد خانقاہ کے قدیم متوسل جناب ڈاکٹر عبدالمقیت علیمی صاحب اور عبدالودود علیمی صاحبزادگان، حضرت مولانا عبدالعلیم ندوی، حضرت رائے پوری سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ نماز مغرب کے بعد مجلس ذکر ہوئی، اس کے بعد مفتی عبدالمتین نعمانی نے ذکر اللہ کی اہمیت پر گفتگو فرمائی۔ عشاء کی نماز کے بعد احباب نے مفتی عبدالمتین نعمانی اور مفتی عبدالخالق آزاد سے استفادہ کیا۔ مؤرخہ 25 فروری 2009ء کو حضرت اقدس رائے پوری مع اپنے رفقاء حیدرآباد تشریف لے گئے۔ اور وہاں مدرسہ فتح الاسلام حُر کیمپ میں حضرت مولانا محمد اشرف مہتمم مدرسہ کے ہاں قیام فرمایا۔ مدرسہ کے طلباء اور نوجوانوں نے حضرت رائے پوری کا پُرتپاک استقبال کیا۔ دوپہر کا کھانا کھایا، اور دوستوں نے مفتی عبدالمتین نعمانی سے استفادہ کیا۔ اس موقع پر جناب ڈاکٹر عبدالمغیث صاحب، صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالعلیم ندوی اور جناب محمود میمن اور دیگر یونیورسٹی کے پروفیسر صاحبان حضرت اقدس مدظلہ العالی سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ نماز مغرب کے بعد حضرت اقدس رائے پوری سندھ یونیورسٹی تشریف لے گئے، اور یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں ایک سیمینار میں شرکت کی۔ اس سیمینار میں یونیورسٹی کے طلباء نے بھرپور شرکت کی۔ اس موقع پر جناب سید اصغر علی شاہ صاحب بھی پیر جوگوٹھ سے تشریف لے آئے۔ سب سے پہلے انجینئر آفتاب احمد عباسی نے خطاب فرمایا۔ بعد ازاں حضرت مفتی عبدالمتین نعمانی نے "تحریکِ آزادی کی اہمیت اور اغراض و مقاصد" پر خطاب فرمایا۔ اور ان کے بعد مفتی عبدالخالق آزاد نے عصر حاضر کے دینی تقاضوں پر خطاب کیا۔ بعد ازاں حضرت اقدس رائے پوری نے اپنے ملفوظات سے نوجوانوں کو مستفید فرمایا۔ سیمینار کا اختتام حضرت اقدس مدظلہ العالی کی دعا سے ہوا۔ اس کے بعد جناب پروفیسر سراج میمن کے گھر حضرت اقدس مدظلہ العالی نے کھانا تناول فرمایا۔ اور رات کا قیام خانقاہ رحیمیہ کے قدیم متوسل جناب عبدالمجید شیخ کے مکان پر فرمایا۔ مفتی عبدالمتین نعمانی سیمینار کے فوراً بعد بورے والا واپسی کے لیے روانہ ہو گئے۔ مؤرخہ 26 فروری 2009ء کو ناشتہ کے بعد حیدرآباد سے کراچی واپسی ہوئی۔ اس دن کراچی میں نماز مغرب کے بعد "عزیز منزل" میں مجلس ذکر منعقد ہوئی۔ اس روز پورے کراچی سے تمام احباب اور متعلقین نے شرکت کی، اس لیے کہ اگلے دن لاہور کے لیے حضرت اقدس مدظلہ کی واپسی تھی۔ نماز مغرب کے بعد ایک بہت بڑا اجتماع عیدگاہ میدان میں حضرت اقدس رائے پوری کو الوداع کہنے کے لیے جمع ہو گیا۔ اس اجتماع میں مفتی عبدالخالق آزاد نے "صحابہ کرامؓ کی سیرت و کردار سے رہنمائی کے حصول کی اہمیت" پر مفصل خطاب فرمایا۔ بعد ازاں حضرت اقدس نے اختتامی دعاء فرمائی۔ تمام احباب نے الوداعی مصافحہ اور معانقہ کیا۔ اگلے دن مؤرخہ 27 فروری 2009ء کو صبح سات بجے حضرت اقدس مدظلہ العالی کراچی ایئرپورٹ کے لیے تشریف لے گئے۔ اور آٹھ بجے لاہور کے لیے جہاز روانہ ہو گیا۔ یوں کراچی میں علم و عرفان اور شعور پر مبنی یہ دس روزہ دورہ مکمل ہوا، اور کراچی کے دوستوں نے پُرنم آنکھوں سے حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کو الوداع کیا۔

دینی مسائل

اس صفحہ پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں۔

جوابات از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی

شعبہ دارالافتاء ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال (۱): امام نے ظہر کی نماز میں سورۂ فاتحہ نصف کے قریب بھول کر بلند آواز سے قرأت کی یا مغرب کی نماز میں سورۂ فاتحہ نصف کے قریب سراً (آہستہ) پڑھ لی۔ کیا سجدہ سہو ان صورتوں میں لازم ہے یا نہیں؟ حافظ محمد طاہر، اسلام آباد

جواب: جن نمازوں میں امام نے جہراً (بلند آواز سے) قرأت کرنی ہوتی ہے، اگر سورۂ فاتحہ کی اتنی مقدار جس سے فرض قرأت ادا ہو جائے سراً (آہستہ) قرأت کر لے تو سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ ایسے ہی اگر سری نمازوں (جن میں قرأت بلند آواز سے نہیں ہوتی) بلند آواز سے قرأت کی تو سجدۂ سہو کرنا ضروری ہوگا اور دونوں صورتوں میں سورۂ فاتحہ از سر نو پڑھے گا۔ فقط واللہ اعلم

سوال (۲): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک شخص اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اپنے ورثاء میں تقسیم کر دیتا ہے۔ جس میں وہ اپنی صوابدید کے مطابق بعض ورثاء کو زیادہ اور بعض کو کم دیتا ہے۔ اس بنیاد پر کہ اس کے ورثاء میں کچھ ایسے افراد ہیں کہ ان کا کاروبار مضبوط ہے، جب کہ بعض دوسرے ورثاء اس سلسلہ میں تعاون کے ضرورت مند ہیں۔ کیا یہ کمی بیشی شرعاً درست ہے۔ محمد ریاض، لاہور

جواب: اپنی زندگی میں اولاد و دیگر ورثاء میں جائیداد کی تقسیم میں اس اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ایک درجہ کے ورثاء کو برابر حصہ دیا جائے۔ مثلاً بیٹے اور بیٹیاں ترکہ میں تو ان کے حصص مختلف ہوتے ہیں لیکن زندگی میں برابر تقسیم کرے۔ البتہ اگر کوئی وارث تنگ دست ہے یا دینی و سماجی امور میں مصروف ہے تو اس کے حصے میں اضافہ کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔ فقط واللہ اعلم

رفتارِ کار

عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ

مجلس شوریٰ کا اجلاس اور تربیتی ورکشاپ کا انعقاد

مؤرخہ: 7 مارچ 2009ء بروز جمعۃ المبارک کو ادارہ رحیمیہ میں مجلس شوریٰ کا ایک روزہ اجلاس منعقد ہوا، جس میں علوم قرآنیہ کے پھیلاؤ کے لئے دعوتی اور تربیتی حکمت عملی کے انتظامی امور طے کیے گئے۔ جس میں مجلس مشاورت کے تمام احباب نے شرکت کی۔ مؤرخہ: 8،9 مارچ 2009ء بروز ہفتہ، اتوار کو اسی حوالے سے دو روزہ تربیتی ورکشاپ ہوئی، جس میں ملک بھر سے ذمہ دار حضرات نے شرکت کی، اس تربیتی ورکشاپ میں دعوت اور تربیت کے انتظامی امور کی انجام دہی پر بریفنگ، ڈسکشن اور پینل مذاکرے منعقد ہوئے، اسی کے ساتھ شرکاء نے روحانی تربیت کے لئے مجالس ذکر اللہ میں شرکت کی اور بعض احباب نے حضرت اقدس سے بیعت کی، آخری نشست میں صدر ادارہ جناب مفتی سعید الرحمٰن صاحب نے تربیتی امور کے حوالے سے ہدایات دیں۔ اور قرآنی تعلیمات کے پھیلاؤ کے لئے منظم انداز میں جدوجہد کرنے کی اہمیت واضح کی۔ آخر میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کی دعاء سے اس ورکشاپ کا اختتام ہوا۔

حرمین شریفین کا مبارک سفر

مؤرخہ: ۲۲ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق 20 مارچ 2009ء بعد از جمعۃ المبارک حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ اپنے خلفاء، احباب اور متعلقین کے ہمراہ عمرہ کے لئے حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً کے مبارک سفر پر روانہ ہو گئے ہیں۔ آپ کی واپسی مؤرخہ: 18 اپریل 2009ء بروز ہفتہ کو ہوگی۔

www.rahimia.org

پاکستان میں عدمِ استحکام کے اسباب اور دینی عصری تقاضے

خطاب حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ

(مؤرخہ: 22 فروری 2009ء بروز اتوار کو "چاندی ہال" لیاقت آباد، کراچی میں "پاکستان میں عدمِ استحکام کے اسباب اور دینی عصری تقاضے" کے عنوان سے ایک بڑے سیمینار کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس سیمینار میں کراچی کے تعلیم یافتہ نوجوانوں، علماء، طلباء، پروفیسرز، ڈاکٹرز اور دانشوروں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ جس میں حضرت اقدس رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے درج ذیل خطاب فرمایا۔) ضبط تحریر: مولانا محمد جمیل

الحمد لله و کفیٰ اما بعد! هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله و کفیٰ بالله شهیدا ● صدق الله العظیم

میرے دوستو اور قابلِ احترام حاضرین!

ہم جن حالات میں آپ سے مخاطب ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں اور ساٹھ سال گزرنے کے بعد جو نتیجہ نکلا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم نے اس عرصہ میں نوجوانوں کی صلاحیتیں بڑھانے اور اس سے غلبۂ دین کا کام لینے کی بجائے ان کو اپنے مفادات کو پورا کرنے کا آلۂ کار بنایا ہے۔ اور یوں ہم نے ان کو نااہل بنادیا ہے۔ موجودہ دور میں نوجوان مہنگی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملک کے حالات اور نظام سے مایوس ہو کر ملک چھوڑ کر باہر جانا چاہتا ہے۔

یہ ہماری کتنی بدنصیبی ہے؟! ہمارے ہاں پہلے ہی تعلیم محدود ہے اور ہم ترقی یافتہ ملکوں سے بہت پیچھے ہیں۔ آج ہم اپنے نوجوان سے ملک کے اندر کام لینے کی بجائے اس کو ملک چھوڑنے پر مجبور کررہے ہیں۔ اس کی صلاحیتیں سامراجی ملکوں کے کام آرہی ہیں۔ وہ نوجوان وطن سے بے وطن ہو کر مخالف ملکوں کے نظام میں وقت گزارتا ہے۔ میرے دوستو! ہر ملک آزاد ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کرتا ہے کہ وہ اپنے ملک میں رائج غلامانہ دور کا نظامِ تعلیم اور نظریۂ تعلیم تبدیل کرتا ہے اور اپنے قومی تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنا نظامِ تعلیم بناتا ہے۔ جب کوئی نظامِ تعلیم قومی جذبہ کے مطابق ہوتا ہے تو اس نوجوان کا مقصد محض ملازمت نہیں ہوتا، بلکہ اس نوجوان کا نظریہ قومی آزادی اور ترقی کا ہوتا ہے، اس کو دشمن کی پہچان ہوتی ہے، اس لیے وہ اپنے وطن کی خدمت کرنے کے جذبہ سے کام کرتا ہے۔ میرے دوستو! ہندوستان کی غلامی کے زمانے میں لارڈ میکالے نے غلامانہ ذہنیت بنانے کے لیے تعلیم کا جو مغربی فلسفہ دیا ہے اس پر برطانیہ کی اسمبلی نے اس کو خراجِ تحسین پیش کیا کہ ہم جنگی حکمتِ عملی سے اربوں روپے اسلحہ پر خرچ کر کے ہندوستان پر مکمل کنٹرول حاصل نہیں کرسکے، اس نظامِ تعلیم کی وجہ سے ہمیں جو کامیابی ملی ہے وہ یہ کہ ایک ہندوستانی اس تعلیم کو حاصل کرنے کے بعد شکل وصورت میں ہندوستانی ہے، لیکن دل و دماغ کے اعتبار سے وہ ہمارا آدمی ہے۔

میرے دوستو! دینِ اسلام انسانی فطرت کے مطابق اجتماعی سوچ رکھتا ہے، انفرادی سوچ نہیں رکھتا، جب کہ ہمارے ہاں تعلیم کے ذریعہ سے ہمارے نوجوان کی تربیت انفرادی نقطۂ نظر سے ہوتی ہے۔ ملازمت کے نظریہ سے ہوتی ہے۔ آج ہم بڑا فخر کرتے ہیں کہ ہم انگریز کے زمانہ میں بڑے تعلیم یافتہ ہو گئے تھے، حالانکہ وہ تعلیم کلرک بنانے کی تھی۔ اور پھر تعلیم کے بعد ملازم کس کے بنے؟ غلام بنانے والی قوم کا ملازم بن کر ان کی سیاست اور معیشت کی حفاظت کرنا اور اپنی قوم سے غداری کرنا یہ کوئی قابلِ فخر بات نہیں ہے۔ میرے دوستو! آپ سوچیں کہ اس نظامِ تعلیم کی وجہ سے مفاد پرست اور خود غرض لوگ پیدا ہوئے، اور اس خود غرضی کے جو خطرناک نتائج ہمارے ملک میں نکل رہے ہیں، وہ ہمارے سامنے ہیں۔ نوجوان مایوس ہیں، ایک تو نوجوان کا قومی جذبہ ختم کردیا، صرف ملازمت کا جذبہ پیدا کیا، اس نوجوان کو یہ شعور نہیں کہ جس نظام کی میں مدد کررہا ہوں وہ میرے لیے بہت سارے مسائل پیدا کررہا ہے۔ یہ نظام نوجوان کا ذہن ملازمانہ بنارہا ہے اور ملک کی اسی فیصد آبادی جو کہ معاشی مشکلات کا شکار ہے، اس کی ہمدردی نوجوان کے ذہن سے نکال رہا ہے۔ وہ قومیں کبھی ترقی نہیں کرسکتیں، جو اپنے نوجوان میں شعور اور ترقی کی صلاحیت پیدا نہیں کرتیں۔ آج شاہ ولی اللہؒ میڈیا فاؤنڈیشن کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ وہ غلط نظامِ تعلیم کے اثرات ختم کرنے کے لیے نوجوان میں شعور پیدا کررہی ہے، اور ان میں احساسِ ذمہ داری پیدا کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ اگر اپنے ہی کالج اور یونیورسٹی کے ذریعہ سے اپنے نوجوان کو گمراہ کردیا جائے، اس کی صلاحیتیں ختم کردی جائیں، ترقی اور تبدیلی پیدا کرنے کی صلاحیت سے نوجوان کو محروم کردیا جائے، تو یہ کتنی بڑی خرابی ہے۔ یہ کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ اپنے نظام کے خراب کئے ہوئے لوگوں کو درست کرنے کی محنت کرنی پڑ رہی ہے اور یہ کام کتنا مشکل ہے کہ ایک نظامِ تعلیم نوجوان کی بیس سال تک تربیت کرتا ہے اور ننانوے فیصد نوجوانوں کو اپنے غلامانہ نظریئے سے وابستہ کردیتا ہے، اس کے بعد ہم ایک دو فیصد نوجوان تک پہنچ پاتے ہیں۔ انگریز نے نظامِ تعلیم تقسیم کر کے مسلمانوں کے ساتھ بہت بڑی سازش کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں گیارہ سو سال تک اسلامی انقلاب کا غلبہ رہا ہے۔ اس پورے عرصہ میں ایک ہی نظامِ تعلیم رہا ہے۔ اسی نظام سے ملک کے تمام اداروں کو چلانے والے ماہر تیار ہوتے رہے ہیں۔ اور پھر اس ملک ہندوستان میں آٹھ سو سال تک مسلمانوں کی حکمرانی رہی تو اس میں بھی ایک ہی نظامِ تعلیم رہا، اور اسی فیصد غیر مسلم لوگ بھی اسلام کے عادلانہ نظام سے مطمئن تھے۔ انگریز کی طرف سے "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی بنیاد پر نفرت پیدا کرنے کے باوجود آج بھی ہندوستان میں "1857ء کی جدوجہدِ آزادی" کے حوالہ سے لوگ ہندوستان کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا دن مناتے ہیں۔ ہم کتنے بدقسمت ملک میں ہیں کہ مسلم ملک ہونے کے باوجود 1857ء کی جدوجہدِ آزادی کا دن نہیں مناسکتے۔ میرے دوستو! یہ سوچنا ہوگا کہ جب تک نوجوان کو مایوسی سے نہیں نکالتے اور اس میں قومی جذبہ نہیں پیدا کرتے اور نوجوان میں نظامِ ظلم کی پہچان اور نظامِ عدل کا شعور پیدا نہیں کرتے، اس وقت تک ہمارا مستقبل تاریک رہے گا۔ میرے دوستو! دوسری طرف ہمارے مذہبی طبقہ کی غفلت یہ ہے کہ وہ پاکستان کے قومی تقاضوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں، انہوں نے اپنی توانائی غلامی کے زمانہ کی روایات کو قائم رکھنے میں صرف کردیں۔ ہمارے مذہبی طبقہ کی یہ ذمہ داری تھی کہ پاکستان میں آنے کے بعد اسلام کا سیاسی اور معاشی نظام قائم کرنے کی جدوجہد کرتا۔ اور اس کے مطابق ایک جماعت کی تشکیل ہوتی جو کہ انگریز کی طرف سے پیدا کردہ فرقہ واریت اور انتشار کے نظریہ کو ختم کرتی۔ یہ یاد رکھیں! فرقے ہر دور میں رہے ہیں لیکن فرقہ واریت ظالمانہ دور کی پیداوار ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مغلیہ دور میں فرقے موجود تھے، لیکن فرقہ وارانہ ہم آہنگی تھی۔ یہ ساری لڑائیاں، فرقہ واریت، نفرتیں وغیرہ انگریز کے پیدا کردہ ہیں۔ بدقسمتی کی بات ہے کہ پاکستان بننے کے بعد ہمارے حکمرانوں نے جو پالیسیاں اختیار کی ہیں، انہوں نے انگریز کے مقصد اور حکمتِ عملی کو کامیاب بنایا۔ میرے دوستو! قرآن کا حکم ہے کہ جو قوم ظلم کی طرف مائل ہوگی اور ظالمانہ نظام کی حمایت کرے گی تو اللہ اس کو عذاب دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھو تم ایسے لوگوں کو حکمران نہ بنالینا جن کے دلوں میں خدا کا خوف نہ ہو۔ انسانیت سے ہمدردی نہ ہو، وہ خواہش پرست ہوں اور ان کی خواہشات اتنی بڑھ جائیں کہ وہ سارے ملک کو کھا جائیں (مفہوم: آیت نمبر ۱۸:۲۸)۔ آج کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ مسلمانوں کے ساٹھ ملک ہیں، ان کی حکومتیں موجود ہیں۔ لیکن سامراج کے نظام سے وابستہ ہیں، سامراجی اڈے ان ملکوں میں ہیں جن کے ذریعہ سے دوسرے ملکوں کی آزادی سلب کراتے ہیں۔ اپنی دولت کا استحصال سامراج سے کرواتے ہیں۔ آج ہمارے ملک میں دو نظامِ تعلیم نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ایسا نظامِ تعلیم ہو کہ دورِ عروج کی طرح اسلامی معیشت وسیاست کے ماہرین پیدا ہوں اور قومی نظام چلانے والے لوگ بھی پیدا ہوں۔ پورے ملک میں ایک بھی ایسا ادارہ نہیں ہے جس میں اس قسم کے لوگ پیدا ہوں۔ سامراج جب بھی کسی ملک سے باہر جاتا ہے، تو اس کے ٹکڑے کرتا، تاکہ اس کو کمزور کیا جاسکے، جیسا کہ خلافتِ عثمانیہ کے ٹکڑے کئے۔ ہندوستان کو تقسیم کیا۔ یہاں پاکستان میں بڑی بدنصیبی یہ ہوئی کہ یہاں کالج اور یونیورسٹی کے نوجوان کو آزادی پسند قائدین کا کوئی تعارف نہیں ہے، ان کو بتایا ہی نہیں گیا کہ بالاکوٹ میں کون تھے اور وہ کیوں شہید کیے گئے۔ 1857ء کی جدوجہدِ آزادی میں کتنے لوگ شہید کیے گئے؟ انگریز سامراج کی طرف سے یہ کوشش کی گئی کہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نظریہ پر جماعت پیدا نہ ہو، لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ جماعت موجود ہے، اس نوجوان کو جتنا دور رکھا گیا اتنا ہی قریب آرہا ہے، اس نوجوان کو ان لوگوں کا تعارف کرایا گیا جن کا ماضی غداری کا ہے۔ مفاد پرستی کا ہے، آزادی کو کچلنے کا ہے۔ ہم نوجوانوں میں یہ احساس پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ اصل طاقت تو تمہاری ہے، طاقت تو شعور کی ہوتی ہے، اگر نوجوان میں عقل وشعور پیدا ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی آزادی سلب نہیں کرسکتی، نوجوان کو غلام نہیں بناسکتی۔ عراق کی مثال آپ کے سامنے ہے کہ آٹھ، نو سال سے امریکہ ظلم کررہا ہے لیکن اس پر کنٹرول نہیں کرسکا کیوں کہ وہاں قومی سوچ موجود ہے۔ آج سامراج چاہتا ہے کہ نوجوان کو مختلف حوالوں سے تقسیم کر کے اپنے مفادات کے لیے استعمال کیا جائے۔ آج ملک میں کوئی تنظیم ایسی نہیں ہے جو کہ نوجوان کو نظامِ ظلم کے خلاف شعور دے اور قومی جذبہ پیدا کر کے مایوسی سے نکالے۔ یہ خدا کا شکر ہے کہ یہ آپ کی اجتماعیت ہے، جو کہ کسی غلط جماعت کے ماتحت نہیں ہے اور کسی مفاد پرست طبقہ کی آلۂ کار نہیں ہے، آج کے دور میں ہم فیل ہورہے ہیں، دین فیل نہیں ہورہا، کیوں کہ یہ دینِ فطرت ہے، اللہ تعالیٰ نے دین کو غالب کرنے کا حکم اس لئے فرمایا: کہ اللہ تمام انسانوں کا رب ہے تو اب اس کو ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جس میں دینی شعور ہو، عقل ہو، مسائل حل کرنے کا شعور ہو، مفاد پرستی کا جذبہ نہ ہو، ایسی جماعت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ظلم مٹاتے ہیں عدل قائم کرتے ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے غلبۂ دین کا نظریہ لے کر جدوجہد کی جائے تاکہ معاشرے میں مکمل تبدیلی پیدا کر کے انسانیت کے مسائل حل کرسکیں۔ اور اس کام کے لیے جرأت مندی، استقامت کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

www.rahimia.org